R. No. 2186/57 Regd. No. L. 922.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

تاریخ اشاعت
۱-۱۱-۶۵

ٹیلی فون - ۲۹
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ سات پیسے

جلد ۲۴ - شمارہ ۴۳ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | ۱۵ نومبر ۱۹۶۵ء

اداریہ

چودہ ۱۴ نومبر کو یاد رکھیے

چودہ نومبر جواہر لال نہرو کی پیدائش کا دن ہے۔ آج سے اناسی سال پہلے، اسی دن وہ پیدا ہوئے تھے۔ کئی سال سے یہ دن سارے ملک میں علاوہ ان کی پیدائش کے دن کے، بچوں کے دن کے طور پر بھی منایا جاتا ہے۔ جواہر لال نہرو کو بچوں سے جو محبت تھی اس کی وجہ سے ان کی پیدائش کے دن کو بچوں کے دن کے طور پر منانا، ہر طرح مناسب اور موزوں ہے۔

جواہر لال نہرو کی بچوں سے محبت میں ایک رمز تھا۔ یہ مستقبل سے نسبت اور اس کی تربیت، اس کی خدمت اور اس کی حفاظت کی ایک علامت تھی۔ ٹیگور نے کہا ہے کہ جو نیا بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ پیغام لاتا ہے کہ خدا ابھی انسانیت سے مایوس نہیں ہوا ہے۔ ٹیگور نے یہ بھی کہا تھا کہ پجاری مندر کے اندر خدا کو تلاش کرتے ہیں، اگر وہ مندر کے دروازے پر مٹی میں کھیلتے ہوئے بچوں کو دیکھنے میں مصروف ہے۔ یوں تو بچوں سے سبھی کو محبت ہوتی ہے، اگر دراصل کوئی ان کی تربیت کی طرف، ان کی شخصیت کی نشوونما کی طرف، ان کی جسمانی اور ذہنی صحت کی طرف پورا دھیان نہیں دیتا۔ ہندوستان میں خاص طور پر بچوں کی طرف سے غفلت برتی جاتی ہے۔ جواہر لال نے پوری قوم کو اس بات کا احساس دلایا کہ بچوں کی تربیت صحیح طور پر ہونی چاہیے، ان کی تعلیم اور صحت کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے اور شروع ہی سے ان کو ایسا ماحول دینا چاہیے کہ وہ اپنے سرمائے سے واقف ہوں، اپنی تہذیب کے علمبردار ہوں اور اچھی تعلیم کے ذریعے سے اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں اور ملک کی قرار واقعی خدمت کر سکیں اس لیے ۱۴ نومبر کو ایک طرف ہمیں جواہر لال نہرو کی شخصیت اور کارناموں کو یاد کرنا چاہیے اور ان کی یاد سے ایک تازہ عزم اور حوصلہ لینا چاہیے اور دوسری طرف بچوں کی صحیح تربیت کے ذریعے سے ملک کے مستقبل کی طرف دھیان دینا چاہیے۔

جواہر لال نے ہمیں اتنا کچھ دیا کہ ہم ان کے احسان سے سر نہیں اٹھا سکتے۔ وہ اس بات سے واقف تھے کہ ہندوستان نے ان سے کس طرح محبت کی، مگر وہ یہ چاہتے تھے کہ ملک ان کے متعلق صرف اچھی اچھی باتیں کہہ کر نہ جائے، بلکہ ان کے کاموں کو آگے بڑھائے ہمیں ان کا سا تاریخی شعور پیدا کرنا ہے تاکہ ہم ایک طرف اپنے ملک کے شاندار سرمائے سے واقف ہو سکیں اور دوسری طرف ایک عالمی پس منظر میں اس کی کوتاہیوں کو بھی سمجھ سکیں۔ ہمیں سائنسی مزاج بنانا ہے تاکہ عقلیت کے سہارے اور معروضیت کی بنیاد پر ہم روز مرہ زندگی کے کاموں سے نپٹ سکیں۔ ہمیں جمہوری نظام پر مضبوط عقیدہ رکھنا ہے تاکہ ہم اس کے دیے ہوئے حقوق کو اس طرح برتیں کہ اس کے فرائض بھی نبھا سکیں۔ ہمیں اپنی قوم کے تمام افراد، ساری ریاستوں کے باسیوں، تمام مذاہب کے ماننے والوں، مختلف سیاسی خیالات رکھنے والوں میں ایک قومی وحدت، ایک قومی کردار اور ایک ذہنی ہم آہنگی کے احساس کو ابھارنا ہے۔ ہمیں سیکولرزم کے راستے پر استقلال سے چلتے جانا ہے خواہ اس کے رستے میں کتنے ہی مشکل مقام آئیں اور ہمارے بدخواہ کتنا ہی ہمیں اس سیدھے اور سچے راستے سے ہٹانے کی کوشش کریں۔ ہمیں سوشلزم کی منزل کی طرف تیزی

اس شمارے میں

سے بڑھنا ہے اور سوشلزم کے لیے فضا کو اور ہموار کرنا ہے ہمیں اپنی پیداوار بڑھانا ہے اور اس کے علاوہ ملک کی صنعتی ترقی کی رفتار کو اور تیز کرنا ہے۔ ہمیں اپنی امن پسندی پر قائم رہنا ہے، مگر اس کے باوجود ہر خطرے کا مناسب دفاعی تیاریوں کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا ہے۔ ہمیں اپنے ملک کی سالمیت اور وحدت کی ہر قیمت پر حفاظت کرنی ہے۔ ہمیں جدید ہندوستانی زبانوں کو سماجی زندگی میں ان کا مقام دلانا ہے اور اس سلسلے میں خاص طور پر لسانی اقلیتوں کو مطمئن کرنا ہے۔ ۱۴ر نومبر کا دن ہمارے لیے اپنے آپ سے، اپنے ملک سے اور جواہر لال نہرو کی روح سے ایک نئے عہد و پیمان کا دن ہے اور خاص طور پر ہندوستان کے مستقبل کے لیے اور اپنی نسلوں کی تربیت کے لیے اپنے آپ کو پھر سے وقف کرنے کا دن ہے۔

سیدنا طاہر سیف الدین کی وفات

۱۲ر نومبر کی صبح کو ریڈیو پر یہ اعلان سن کر ملک کے تمام علمی و ادبی حلقوں میں ماتم کی لہر دوڑ گئی کہ سیدنا طاہر سیف الدین چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم بوہرہ فرقے کے مذہبی رہنما تھے، لیکن اس کے علاوہ وہ اپنی علم دوستی اور ادب نوازی کے لیے ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی مشہور تھے۔ ہندوستان کی بیشتر علمی درسگاہوں کو ان کی ذات سے فیض پہنچا اور انھوں نے بلا امتیاز مذہب و ملت، ادبی اداروں کی فیاضی سے امداد کی۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے تو وہ بہت بڑے محسن تھے، مگر ان کی علمی یادگاروں میں جامعہ سیفیہ بھی ہے جس میں عربی میں اعلیٰ درجہ کا تحقیقی اور علمی کام ہو رہا ہے۔ وہ نہایت روشن خیال بزرگ تھے اور انھوں نے اعلیٰ اخلاقی قدروں کو برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں کو خصوصاً اور ہندوستانیوں کو عموماً جدید دور کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ خدا مرحوم کو اپنی رحمت بے پایاں سے سرفراز فرمائے۔

ہم ان کے جانشین حضرت برہان الدین اور ان کے نامور فرزند ڈاکٹر نجم الدین کے اس غم میں شریک ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ دونوں علم پروری اور ادب دوستی کی اعلیٰ روایات کو جو سیدنا طاہر سیف الدین مرحوم و مغفور کی ذات بابرکات سے وابستہ تھیں ہر طرح قائم رکھیں گے۔

شاخ لکھنؤ کی طرف سے رزمیہ نظموں کے مجموعے کی اشاعت

۲ر نومبر۔ انجمن ترقی اردو شاخ لکھنؤ نے طے کیا کہ وہ "شمشیر و سناں" کے نام سے رزمیہ نظموں کا ایک مجموعہ شائع کرے گی جو محاذ پر متعین فوجی جوانوں کو پیش کیا جائے گا۔ (نامہ نگار)

نہرو میموریل میوزیم اور لائبریری

نئی دہلی۔ ۲۲ر اکتوبر۔ نہرو میموریل میوزیم اور لائبریری کو جو تین مورتی بھون کی عمارت میں ایک حصہ کے طور پر کام کر رہے تھے مرکزی وزارت تعلیم کا ایک علیحدہ ماتحت دفتر بنا دیا گیا ہے۔

ریلوے بورڈ کے جوائنٹ ڈائرکٹر شری آر۔ بی۔ نندہ پہلے ہی اس کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے چارج لے چکے ہیں۔

واشنگٹن میں نہرو میموریل نمائش

نئی دہلی۔ ۱۰ر نومبر۔ واشنگٹن پوسٹ ۲۹ر اکتوبر نے اپنے ایک اداریے میں بیان کیا ہے کہ جواہر لال نہرو میموریل نمائش ایک نمایاں پیش کش ہے۔ سمتھ سونین انسٹی ٹیوٹ میں جمعرات کو اس نمائش کا افتتاح ہوا اور یہ ۲ جنوری تک جاری رہے گی۔ اسے ایک عظیم الشان خراج عقیدت یا تاریخی داستان کے ایک حصے اور کتاب کی شکل میں ایک تبصرے کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ ایک غیر معمولی نمائش ہے۔

جارجیائی شاعر کی ۸۰۰ ویں سالگرہ

ماسکو۔ "نائٹ ان اے ٹائگرس اسکن" کے مصنف عظیم جارجیائی شاعر شوتا رستاویلی کی پیدائش کی ۸۰۰ ویں سالگرہ ایک عالمی اہمیت کا واقعہ ہے اور اس میں بہت سے غیر ملکی مہمان بھی شرکت کریں گے۔

جارجیائی ادبی نقاد وساریون ژگینتی نے جوبلی کمیشن کے پہلے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ رستاویلی کا تعلق تمام بنی نوع انسان سے ہے اور ان کی جوبلی قومی سطح تک محدود نہیں رہ سکتی۔ انھوں نے کہا کہ ان کی ۸۰۰ ویں سالگرہ مغربی اور مشرقی تہذیبوں کے درمیان تعلقات کے بارے میں مختلف ملکوں کے ادیبوں کے مابین بات چیت کے لیے ایک بہتر موقع فراہم کرتی ہے۔ اس موقع پر ایک ادبی میلہ منعقد ہوگا جس میں مہمان شرکت کریں گے۔ جارجیا میں جوبلی کی تیاریاں زور شور سے ہو رہی ہیں۔ "نائٹ ان اے ٹائگرس اسکن" کی سائنسی تحقیق کے ساتھ ان کی شاعری کا روسی، انگریزی، جرمن اور عربی میں لفظاً بلفظاً ترجمہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

سوویت یونین میں ۷۰ تحریری زبانیں

ماسکو (نووستی) سوویت یونین میں تقریباً ۷۰ تحریری زبانوں کا استعمال کیا جا رہا ہے ان میں سے تقریباً ۵۰ زبانیں ۱۹۱۷ء کے بعد وجود میں آئی ہیں اس امر کا انکشاف لیتھوانیا کی راجدھانی ولینس میں حال ہی میں منعقد ہونے والی مختلف قومیتوں کے نمائندوں کی ایک کانفرنس میں کیا گیا۔ ان زبانوں میں اسکولوں میں ہدایات دی جاتی ہیں، کتابیں اور اخبارات شائع ہوتے ہیں اور ڈرامے و فلمیں تیار کی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

میر نثار علی شہرت دہلوی

(شاگرد مومن)

دلی یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرے میں ایک کتابچہ "عبیر ہندی" پر نظر پڑی۔ اس کتاب پر متوجہ کرنے والی چند باتیں تھیں ایک تو یہ کہ اس کتاب کے مولف مومن کے ایک شاگرد نثار علی شہرت دہلوی ہیں۔ شہرت کو شاگرد مومن ہونا پہلی مرتبہ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے اس کے علاوہ اس کے مقدمے سے بھی جو انھوں نے کتاب کے سبب تالیف کے طور پر تحریر کیا ہے بعض کام کی باتیں معلوم ہوئیں جن کا ذکر آگے آئے گا۔

ان کا میر نثار علی نام اور شہرت تخلص تھا۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ والد کا نام منشی حسین علی تھا۔ یہ امیر کلاں پیر و مرشد امیر تیمور کی اولاد سے تھے اور خود بھی کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اس کے علاوہ بہادر شاہ ظفر کے داماد مرزا قمر طالع اور ان کی لڑکی کے استاد تھے شہرت نے خود لکھا ہے۔

"میرے والد ماجد منشی حسین علی صاحب فرحت، مصنف 'ام التواریخ' اور موجد التواریخ حضور بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے داماد مرزا قمر طالع اور ان کی دختر نیک اختر کے استاد تھے۔[1]"

شہرت ریاست جموں و کشمیر میں سر رشتہ تعلیمات میں ڈائرکٹر تھے۔ اپنے پیشہ کے اعتبار سے تعلیمی مسائل سے اور دہلوی ہونے کی رعایت سے اصلاح زبان سے خاص دلچسپی تھی۔ اصلاح زبان کی کوشش کے سلسلے میں انھوں نے "عبیر ہندی" اور "مشک ہندی" لکھی، موخر الذکر کتاب میری نظر سے نہیں گذری البتہ اول الذکر اس وقت مطالعہ میں ہے۔ اس کتاب کا موضوع لغات اور اصطلاحات نسواں کا استعمال ہے۔ اس کتاب کے تالیف کا خیال کیوں کر پیدا ہوا یہ خود مولف کی زبان سے سنئے۔

"قلعہ معلی دہلی کے اجڑ جانے سے اردو زبان کا ذخیرہ خراب ہوتا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اردو زبان کی ٹکسال قلعہ مذکور میں جاری تھی، شاہ زادے اور شاہ زادیاں اردو کو بناتی اور سنوارتی تھیں اور نئے نئے محاورے نکالتی تھیں۔ گویا کہ اب اردو زبان کا کوئی نگراں نہیں رہا۔[2]"

آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہیں۔

"ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ اردو کا ذخیرہ بگڑتا جاتا ہے۔ لیکن ہمیں بتانا چاہیے کہ کیا ذخیرہ بگڑنے لگا ہے یہ ذخیرہ بگڑنے لگا نہیں تو اور کیا ہے کہ اس میں بھاشا، عربی، فارسی، انگریزی کے لغات بلا ضرورت ٹھونسے جا رہے ہیں، جس سے اردو کی شکل بھونڈی بننے لگی، جب کہ اردو زبان کے لغات اس میں عمدہ اور زیبا موجود ہیں۔[3]"

اس سلسلہ میں انھوں نے ایک دلچسپ قصہ بیان کیا ہے غدر سے پہلے مرزا غالب کے دولت خانے پر نواب احمد سعید خاں طالب اور قربان علی بیگ صاحب سالک اور خواجہ الطاف حسین حالی اور دیگر اصحاب تشریف رکھتے تھے۔ میں بھی اتفاق سے اپنی عادت کے موافق جا نکلا اور قرینہ کے ساتھ بیٹھ گیا تو دیکھتا کیا ہوں حالی صاحب اپنی نو تصنیف کتاب جستہ جستہ غالب صاحب کو سنا رہے ہیں۔ میں بھی سنتا رہا لیکن غالب صاحب بار بار حالی صاحب کو ٹوکتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ حالی صاحب جب اردو زبان میں یہ لغت موجود تھا تو آپ نے پانچ سیر کا یہ لغت دوسری زبان کا کیوں ٹھونس دیا۔ آخر میں سالک صاحب اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ دلی والو! تمہاری اردو زبان مشک و عنبر ہے اس کو ہی لکھو اور بولو۔ یہ نہیں چاہیے کہ بولنے میں اردو زبان کا استعمال کرو اور لکھنے میں فارسی کی ٹانگ توڑو۔[4]"

غالب کی یہ نصیحت شہرت کے لیے مفید بھی تھی اور اصلاح بھی۔ شہرت کے سامنے میدان وسیع تھا انھوں نے اس کے لیے عورتوں کی زبان کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا۔ عبیر ہندی اس کا زندہ ثبوت ہے۔ شہرت کا خیال تھا کہ انسان کا پہلا مدرسہ آغوش مادر ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنا مخاطب مستورات کو بنایا۔

شہرت کا ذکر عام طور سے تذکروں میں نہیں ملتا۔ اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعر کی حیثیت سے مشہور نہ ہوئے ہوں گے۔ عبیر ہندی میں ان کے کلام کا جو نمونہ ملتا ہے اس میں نہ تو کوئی ندرت ہے اور نہ کوئی لطافت۔ شعریت کے حسن سے بھی خالی ہے نمونے کے طور پر چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

حمد: کن سے ہوئی ہے خشک و تر لازم ہے بشر کو حمد باری

۱؎ عبیر ہندی (سبب تالیف)

۲؎ عبیر ہندی (سبب تالیف)

۳؎ عبیر ہندی (سبب تالیف)

۴؎ عبیر ہندی (سبب تالیف)

کن سے ہوئے ہیں ہزار عالم — یوں کہئے کہ بے شمار عالم
ان میں ہے بس اک جہاں ہی ہم — اس کو بھی تو جب نتے ہیں ہم کر

زبان اردو:

ہے اردو زبان کا بول بالا — جس نے کئی سوکنوں کو ٹالا
کل ہند میں سکہ اس کا جاری — خوش قسمتی ہے مگر ہماری
پنجاب میں اس کے حسن کی دھوم — پہونچی ہے کابل اور تا روم
ہے اس کا تو حسن ہی نرالا — پہونچا یا کہاں کہاں اجالا

ان کے مومن کے شاگرد ہونے کا ذکر بھی پہلی مرتبہ جبیر ہندی کے سرورق سے ملتا ہے۔

"عالی جناب میر نثار علی صاحب شہرت فخر شعراء ہند دہلوی شاگرد خلد آشیاں مومن خاں صاحب مومن دہلوی۔"

البتہ تعلیم کے سلسلے میں ان کی مساعی جمیلہ کا ذکر اس کتاب کی تقریظ[1] سے معلوم ہوتا ہے۔

"یہ وہی میر نثار علی صاحب شہرت دہلوی ہیں جنھوں نے ۱۸۷۶ء میں قوم کو جگایا تھا کہ اگر ہماری زبانیں مٹ گئیں تو ہمارے مذہب بھی مٹ جاویں گے صاحب ممدوح کی پارٹی نے گورنمنٹ کے حضور میں عرضی پیش کی تو پھر اورینٹل کالج بنا جو عربی۔ فارسی، سنسکرت کو زندہ کر رہا ہے۔"

یہ وہی میر نثار علی صاحب شہرت ہیں جب جاپان ترقی کر رہا تھا تو انھوں نے اور ان کے دوستوں نے زور دیا کہ لاہور میں ایسی یونی ورسٹی قایم کی جاوے جو علوم و فنون مفیدہ کا ترجمہ دیسی زبانوں میں کرے جس سے اثر میں سر سید سے پانچ برس تک بحث رہی اور آخر کار پنجاب یونی ورسٹی کو اختیارات ملے یہ یونی ورسٹی ملک کے روپے سے بنی ہے۔

یہ وہی میر نثار علی صاحب شہرت ہیں کہ انھوں نے اور ان کے دوستوں نے زور دیا کہ ہماری تعلیم ہمارے ہاتھ میں رہے۔ چنانچہ انجمن حمایت الاسلام بنی۔ جس نے اپنے ہاتھ میں اپنی قوم کی تعلیم کو لے رکھا ہے۔"

شہرت کے حالات میں ایک جگہ سر سید سے اختلاف کا ذکر آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کے پس منظر کو پیش کر کے اس گتھی کو سلجھایا جائے۔ سب جانتے ہیں کہ سر سید اردو کے زبردست حامی اور علوم و السنہ مشرقیہ کے بڑے طرف دار تھے ان کا خیال تھا کہ ایک ورناکلر یونی ورسٹی قائم کی جائے جس میں تمام علوم کی تعلیم مادری زبان میں دی جائے۔ کچھ عرصہ کے بعد حکومت بھی اس نقطۂ نظر کی تائید کرنے لگی خصوصاً پنجاب یونی ورسٹی کے ارباب حل و عقد کا یہ ارادہ ہوا کہ یونیورسٹی میں انگریزی کی جگہ مشرقی زبانوں کی ترویج کی جائے۔ تب سر سید کو محسوس ہوا کہ حکومت کے ارکان ہندوستانیوں کو عصری علوم سے غافل رکھنا چاہتے ہیں اور بظاہر السنۂ مشرقیہ کی سرپرستی کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں (جیسا کہ بعد کو وقوع میں آیا) کہ مغربی علوم و السنہ حاصل کرنے کے بعد اہل ہند سیاسی حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں گے۔ سر سید نے ان الفاظ میں اس کا اظہار کیا ہے۔

"ہم پر احسان رکھ کر ہم کو دھوکے میں ڈالا جاتا ہے کہ ہم تمہارے مشرقی علوم اور تمہاری مشرقی زبان کی ترقی دیتے ہیں۔ مگر ہم پوچھتے ہیں کہ کیوں؟ اور کس مطلب سے؟ اس کا جواب کسی پیرایہ اور کیسے ہی میٹھے لفظوں میں دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہی ہے کہ غلامی کی حالت میں رکھنے کے لیے۔"[1]

۱۸۹۰ء میں نواب محسن الملک نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کو خطاب کرتے ہوئے شہرت کے اس اعتراض کا کہ سر سید علوم و السنہ مشرقی کے مخالف تھے رد کیا اور اس طرح سر سید کی برأت کی۔

"شہرت صاحب نے جو کچھ کہا ہے اگرچہ وہ اصل واقعہ اور صورت حال نہیں ہے۔ تاہم میں نہیں کہتا کہ شہرت صاحب نے جیسا کہ بشیر الدین صاحب کا خیال ہے، سید صاحب پر بہتان اٹھایا ہے حقیقت حال یہ ہے کہ جن الفاظ کو شہرت صاحب نے سر سید مرحوم کے نقل کیا ہے وہ مرحوم سر سید کی زبان سے اس حالت میں نکلے تھے جب کہ وہ پنجاب یونی ورسٹی کے اصول اور طریقہ تعلیم کو مسلمانوں کے لیے غیر مفید سمجھتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ ڈاکٹر لٹنر پنجاب یونی ورسٹی میں انگریزی تعلیم کی بجائے اورینٹل جاری کرنا اور بجائے انگریزی لٹریچر کے عربی فارسی لٹریچر کو جاری کرنے کی کوشش کر رہے تھے اور سر سید زمانے کی حالت اور مسلمانوں کی ضرورت پر نظر کر کے اسے مضر سمجھتے تھے۔"[2]

بہر طرح یہ موضوع تو ضمنی طور پر آ گیا۔ اس لیے کہ اس موضوع

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

۱؎ جبیر ہندی (تقریظ)، تقریظ نگار کا نام نہیں ہے۔ صرف منتظم دار الاشاعت نسواں لاہور درج ہے۔

۱؎ تہذیب الاخلاق

۲؎ علی گڑھ تحریک (بحوالہ حیات جاوید)

جگر بریلوی

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا — یہ جان ہے ہماری یہ ہے جہاں ہمارا
پلا بنا ہمارا خاکِ زمیں سے اس کی — آبِ رواں اسی کا خونِ رواں ہمارا
کوہت اسی چمن کی روحِ رواں ہماری — آب و ہوا ہے اس کی دل کا جواں ہمارا
خونِ جگر سے ہم نے سینچا ہے بوٹا بوٹا — رشکِ جناں ہوا ہے جب گلستاں ہمارا
آنکھوں میں دشمنوں کی ہے خار سا کھٹکتا — امن و اماں کا پرچم قومی نشاں ہمارا
ہم پر ہیں سازشیں یہ پیہم یہ کوششیں ہیں — مٹ جائے اب دنیا سے نام و نشاں ہمارا
چین اور پاک مل کر جنگ آزما ہوئے ہیں — نرغے میں دشمنوں کے ہے کارواں ہمارا
ان حملہ آوروں کو ہم یہ جتائے دیتے — ہے تیغ و ادراک ہر اک جواں ہمارا
ہم خاک میں ملا کر رکھ دیں گے دشمنوں کو — اونچا رہے گا رن میں قومی نشاں ہمارا
آنکھ اٹھائے کچھ وطن پر ہرگز نہیں یہ ممکن — بہہ جائے چاہے جتنا خونِ جواں ہمارا
چھوڑ دے جگر تم بس تلوار ہاتھ میں لو — منظور ہے جہاں کو ہے امتحاں ہمارا

روشن موہن

یہ سنگھرش اپنا ہے آدرش اپنا

ہمیں اپنے دل کو نگہبان رکھنا
ہمیں اپنے آدرش کا دھیان رکھنا ہے اور مان رکھنا
کٹھن ہے یہ سنگرام، دن رات کرنا ہے اس کے لیے کام
اپنا وطن ہونے پائے نہ بدنام قائم ہمیں عزت و شان رکھنا
ہمارے بہادر سپاہی جو مصروفِ حفظِ وطن ہیں
لگائے ہوئے بازی جان و تن ہیں، [illegible] ہیں
ہمیں ان کی تائید میں ان کے پیچھے بھی آپس کی الفت ہمیں
دینی ہے دادِ شجاعت
ہمیں ہر سمے رکھنا ہے دھیان اپنے نگہبان کا اور پھر دھیان اپنا
کہ اپنے ستودہ چلن سے وطن کے چمن کو فساد و دشمن کے خزاں
سے بچانا ہے ایمان اپنا
یہ سنگھرش اپنا ہے آدرش اپنا
یہی ریت اپنی تو ہے جیت اپنی
اسی میں ملے گا ہمیں ہرش اپنا

عاصی رام پوری

تین شعر

ہزار گردشِ دنیا ستائے مجھ کو مگر
ترا خیال مرے دل کی آرزو میں رہے
خزاں کے مارے ہوئے اور کس طرح جیتے
تمام عمر بہاروں کی جستجو میں رہے
یہی ہے آرزو مرنے کے بعد بھی عاصی — مرے وطن کی محبت مرے لہو میں رہے

لیتوانیائی شاعر جانسن رئیس کی سالگرہ
کلکتہ میں ادیبوں اور دانشوروں کا جلسہ

کلکتہ، یہاں سوویت لیتوانیا کے مشہور شاعر جانسن رئیس کی سالگرہ کے موقع پر ادیبوں اور دانشوروں کا ایک جلسہ منعقد کیا گیا۔ اس تقریب کا اہتمام ہند سوویت کلچرل سوسائٹی کی جانب سے کیا گیا تھا۔ ہیومینیٹیز کے قومی پروفیسر ڈاکٹر سنیتی کمار چیٹرجی نے جلسہ کی صدارت کرتے ہوئے لیتوانیا کے قومی مغنی جانسن رئیس کی تخلیقات اور زندگی کے بارے میں دلچسپ تقریر کی:

ڈاکٹر چیٹرجی نے کہا کہ جب ۱۹۶۴ء میں وہ سوویت یونین میں قیام پذیر تھے انھوں نے بالٹک جمہوریوں کا سفر بھی کیا تھا۔ اس موقع پر انھیں لیتوانیائی عوام کے عظیم شاعر جانسن رئیس کے بارے میں معلوم ہوا۔

چیٹرجی نے کہا کہ لیتوانیائی دوستوں کی مدد سے جانسن رئیس کی تخلیقات کے ترجمے اور ان کے ڈراموں کے ترجمے حاصل کیے۔ اس طرح انھیں لیتوانیائی شاعر اور اس کی شاعرانہ عظمت کو سمجھنے کا موقع ملا۔

ڈاکٹر چیٹرجی نے کہا کہ وہ رئیس کے بارے میں ایک کتاب تیار کر رہے ہیں جو مناسب وقت کے اندر شائع کر دی جائے گی۔ انھوں نے ان کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے دیتے ہوئے کہا کہ وہ سوویت اور آزادی کا مغنی ہے مگر اتنا ہی نہیں یہ آفاقی خصوصیات کا حامل ہے یہ نیچر سے پیار کرتے ہوئے ظلم و ستم اور استحصال کے خلاف انسان کی نجات کی جدوجہد کے لیے اپیل کرتا ہے۔ اس طرح انھوں نے بجا طور دنیا کے عظیم ادیبوں کی صف میں مقام حاصل کر لیا ہے۔

اس موقع پر نائب قونصلر ووتوتسنے بھی تقریر کی اور کہا کہ سوویت یونین میں رئیس کی تصنیفات و تخلیقات کے نسخے زائد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں یہ بھی ایک خوشگوار اتفاق ہے کہ ان کی سالگرہ کے ساتھ ہی سوویت لیتوانیا کے قیام کی ۲۵ ویں سالگرہ بھی منائی جا رہی ہے۔ انھوں نے رئیس اور ان کی ادبی تخلیقات پر روشنی ڈالی اور چند تراجم بھی سنائے۔

آخر میں بنگال کے ادیب شری گوپال ہلدار نے بھی تقریر کی۔

(ذاکار ، میدیال)

مناظر عاشق ہرگانوی

ایسوپ،س۔ فیبلس

یکم رنومبر ۱۹۶۴ء کے "ہماری زبان" میں اقبال کرشن صاحب اپنے مراسلے میں تحریر فرماتے ہیں "یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے۔ کل صفحات ۱۱۴ ہیں۔ اس میں ایسوپ کے پورے ایک سو قصے ہیں۔ اصل انگریزی کے ساتھ ساتھ اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ نہ سرورق کا پتہ ہے، نہ پشت ورق کا۔ اور لہٰذا میں آپ کو بتانے سے قاصر ہوں کہ کس نے چھاپی، کب چھاپی۔ اب اس لیے میں خود ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ کتاب کب چھپی، کہاں چھپی، کس نے ترجمہ کیا تھا......"

اس کے جواب میں "ہماری زبان" یکم دسمبر ۱۹۶۴ء سلیم تمنائی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کتاب میں ایسوپ کے پورے ایک سو قصے ہیں۔ لیکن صفحات ۱۲۲ ہیں جسے رام نرائن لال نے الٰہ آباد سے شائع کیا تھا......رمضان علی شاہ نے نیشنل پریس الٰہ آباد میں اسے چھاپا تھا۔ سرورق باتصویر ہے۔ کتاب پر تاریخ طباعت نہیں۔"

لیکن میرے پیش نظر جو کتاب ہے اس کا پہلا اور دوسرا صفحہ غائب ہونے کے باوجود صفحہ نمبر تین (۳) سے آخری صفحے تک دیکھنے سے کتاب کے بارے میں ساری معلومات حاصل ہو جاتی ہیں۔ یہاں یہ بھی بتا دوں کہ میرے پیش نظر کتاب میں اصل انگریزی ہی اردو ترجمہ دیا گیا ہے۔ اور میں اردو ترجمہ کے حصے کا ذکر کر رہا ہوں انگریزی حصے کا ذکر بعد میں آئے گا۔

اردو ترجمہ کے حصے میں مندرجہ ذیل معلومات ہیں:

ایسپس فیبلز AESOP'S FABLES

ایسپ حکیم (یونانی)

فن: افسانہ مشتمل بر اخلاق

تعداد اوراق: ۱۸۴ صفحات

سنہ طباعت: سنہ ۱۸۵۰ء

اقبال صاحب نے تعداد اوراق ۱۱۴ اور سلیم صاحب نے ۱۲۲ صفحات لکھا ہے۔ نیز قصے کی تعداد ایک سو بتایا ہے لیکن میرے پیش نظر کتاب میں ضخامت ۱۸۴ صفحات اور چھوٹی چھوٹی ۱۹۶ کہانیاں ہیں۔ اتنی ہی کہانیاں انگریزی حصے میں بھی ہیں۔

صفحہ ۱۸۴ پر درج ہے:

"الحمد للہ والمنۃ کہ کتاب مفید و آسان کہ ہر ایک اس کو پڑھ کر فائدہ پاوے تمام ہوئی۔ مترجم منشی نظام الدین ہندوستانی۔ تاریخ گیارہویں ماہ جمادی الاول ۱۲۶۶ ہجریہ مقدسہ مطابق چھبیسویں مارچ سنہ ۱۸۵۰ء عیسویہ چھاپہ خانے میں فضل الدین صاحب کھکر کے چھاپی گئی۔"

٭٭٭

اس کے بعد چار (۴) صفحات پر غلط نامہ (صفحہ، سطر، غلط، صحیح) کا پھیلاؤ ہے۔ غلط نامہ کے آخری صفحہ پر "تمام شد" درج ہے۔ اور "تمام شد" کے نیچے "منشی فضل الدین کھکر کے چھاپہ خانے میں چھاپی گئی اور ابراہیم صاحب بن فتح محمد نے چھاپی" درج ہے۔

سلیم تمنائی صاحب نے لکھا ہے کہ "رام نرائن لال نے الٰہ آباد سے شائع کیا تھا......رمضان علی شاہ نے نیشنل پریس الٰہ آباد میں اسے چھاپا تھا۔" جہاں تک میں سمجھ رہا ہوں سلیم صاحب کے پیش نظر بہت بعد کا اڈیشن ہے کیونکہ پہلی دفعہ ابراہیم بن فتح محمد نے منشی فضل الدین کھکر کے چھاپہ خانے میں چھاپا تھا جیسا کہ انگریزی حصہ کو دیکھنے سے بھی پتہ چلتا ہے۔

انگریزی میں یہ کتاب ۸۵ صفحے کی ہے۔ اس میں سبھی کہانیوں میں عنوان رکھا گیا ہے۔ لیکن اردو میں صرف "نقل نمبر" فلاں لکھ کے درج ہے۔

انگریزی حصہ کے سرورق پر درج ہے:

English And Hindoostanee

AESOP'S FABLES

Translated from The English into Hindoostanee

by

Moonshee Nizam-ud-deen

Translator of The Hindoostanee Aesop's Fables, The new articles of war, And The Insha-i-Hindee

---

This work was Revised and approved by The Late

لا میں "چھپی کی کتاب" کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔ اس کی وضاحت چاہتا ہوں۔ (م۔ ع۔ ہ)

Major Genaal Vans Kennedy
oriental Translator to
Government.

Bombay
Rrinted at The Dufter
Ashkara press
for
Ibrahim Futra Mohammad
And sold by him
at Meadow street Below
Mr. canonn's library
and by Moonshee Nizam
ud-deen
at Poona
A.D. 1850
Higria 1266

انگریزی حصہ کے پہلے صفحہ پر وینس کنیڈی کا ایک سرٹیفکیٹ ہے:-

Certificate

Bombay 11th Nov 1846.
I do hereby certify That
I have examined This
Translation From
English into Hindoostanee
of Aesop's Fables made
by Munshi Nizamuddin
and That it appears to me
That it has been
executed correctly
and in such an easy
style as will facilitate
The learning of The lan-
-guage.
(Signed) Vans Kennedy
oriental Translator to
Government.

اس کے بعد منشی نظام الدین کا ۱۹ صفحہ کا دیباچہ درج ہے، جس میں انھوں نے ایسوپ، س فیبلس کی اشاعت پر تاریخی روشنی ڈالی ہے۔ اور پھر صفحہ ۲۰ سے ۸۵ تک ۱۹۶ کہانیاں ہیں۔

"ہماری زبان"
سے خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

مراسلہ

حضرت فراق کی ایک غزل

ہماری زبان یکم اکتوبر میں حضرت فراق کی ایک غزل پر طالب رزاقی صاحب کی مشق نقد نظر سے گزری۔ اس پر مدیر صاحب کی دعوت نے مجھے یہ چند سطور لکھنے پر مجبور کر دیا کیونکہ ردِ دعوت خلافِ سنت ہے۔ ورنہ میں اس بحث میں ہرگز دخل نہ دیتا۔

سب سے پہلے میں رزاقی صاحب اور دیگر حضرات کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ میں مبتلائے فراق ہوں اور نہ گرفتارِ مراق۔ سچی بات کہنے میں بے باک و حاذق لیکن میرا یہ دعویٰ نہیں "مستند ہے میرا فرمایا ہوا" اپنی خرد کی حد تک انصاف کی بات کہنا اپنا فرض جانتا ہوں اُسے قبول کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

فراق صاحب بے شک عالم ہیں لیکن اُن کے شاعرانہ غلو آمیز دعوے مرضِ خوش فہمی کا ظہور ہیں یا ممکن ہے چھیڑ خوباں سے چلی جائے مراد ہو لیکن ایسے بلند بانگ دعوے ان کی شان کے خلاف ہیں مجھے یہاں امام شافعیؒ کا یہ قول یاد آگیا کہ کیا دو جھوٹوں کے بیچ میں ہے یعنی جو جانتا ہے وہ کہتا ہے میں نہیں جانتا اور جو نہیں جانتا وہ کہتا ہے میں جانتا ہوں۔ بالکل یہی کیفیت اس شخص کی ہے جو کسی فن میں کامل ہونے کا مدعی ہو۔

فراق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ غزل غنودگی کے عالم میں ہوگئی تو میر نو نشہ فرما سکتے ہیں۔ "کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی"

فراق صاحب نے غنودگی کی آڑ لے کر غزل کی کمزوریوں پر پردہ ڈالنا چاہا ہے کہ کوئی نقاد اعتراض نہ کرے ۔ اور صنائع بدائع یا علم بیان و عروض کی کتابوں کا ذکر فرما کر تکرارِ قافیہ کی صنعت کا فقدان دکھایا ہے یہ بھی غنودگی کے عالم ہی کا بیان ہے ہوش کے عالم کا ذکر ہوتا تو انھیں لازم اعتراف ہوتا کہ ہاں ایسی بہت سی غزلیں دیکھی اور سنی ہیں۔

گلبانگ کے صفحہ ۴۹ پر جو غزل ہے متعدد جریدوں میں شائع ہو چکی ہے اور ۱۹۲۶ء کی پیداوار ہے اس کا مطلع ہے

ہر چند دل کامل نظر آتا ہے
ہر آئینہ محفل نظر آتا ہے

اسی طرح صفحہ ۵ پر بہ تکرار سہ قوافی غزل ہے جس کا مطلع ہے

آتا ہے گھر گھر ابر گہر بار بار بار   روتا ہے کوئی جان سے بیزار زار زار

لیکن مجھے یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں تکرار قافیہ کی نئی قیود و التزام کا موجد ہوں حالانکہ بتکرار سہ قوافی کسی کی غزل میری نظر سے نہیں گزری (تو میں اسے اپنی تلاش کی کمی پر محمول کرتا ہوں) ہاں دو قافیے جن کی مثال دو غزلیں بحر الفصاحت میں ہیں جنھیں پڑھ کر میں نے با معنی میں ڈھال دیا۔

اس کے علاوہ شارقہ: (جس کا ہر شعر چار اوزان پر تقطیع ہو سکتا ہے)

نادرہ: (جس کا ہر شعر تیرہ ۱۳ اوزان اٹھارہ ۱۸ بحور پر مشتمل ہے)

مؤتلفہ: (جس کا ہر شعر بحر کامل سالم اور بحر وافر سالم پر تقطیع ہو سکتا ہے)

متفقہ: (جس کا ہر شعر بحر متقارب سالم اور بحر متدارک سالم میں ہے) گلبانگ میں موجود ہیں ان غزلوں پر میرا یہ دعویٰ نہیں کہ ہندوستان پاکستان کیا قبرستان میں بھی ان کا جواب نہیں۔ نقادوں اور اہل نظر حضرات نے بے شک نادرات میں شمار کیا ہے اور دل کھول کر داد سے نوازا ہے۔ میں اُن سب کا ممنون ہوں لیکن فخر سے بے نیاز اپنی حد میں اپنی حقیقت سے بے خبر نہیں۔ یہ سب کچھ میرے خالق کی دین ہے اور بس

کچھ دن پہلے (ہماری زبان) میں گلبانگ پر ریویو شائع ہوا اور ان نادرات پر کوئی لفظ نہیں اور نہ کسی اور صنعت پر کچھ روشنی ڈالی تو مجھے کوئی شکوہ نہیں ہاں ایسی کوئی چیز فراق صاحب تخلیق فرماتے تو خدا جانے کیا دعویٰ کرتے۔

رزاقی صاحب نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں طنز و شوخی تحریر برطرف کرنے کے بعد کافی حد تک اتفاق کرتا ہوں لیکن حقِ نقد پورا ادا نہیں کیا۔ فرماتے ہیں "قدما نے تکرارِ قافیہ کو صنائع بدائع میں شامل نہیں کیا کیونکہ یہ ایک اختیاری قسم کی قید و لزوم ہے۔" میں رزاقی صاحب سے دریافت کرتا ہوں کہ غیر اختیاری قید لزوم کونسی ہیں؟ اور آگے بڑھ کر فرماتے ہیں: "بیانہ ہونے کی وجہ فی بطن الشاعر ہے"

شاعر ہو یا غیر شاعر سب کے بطن (پیٹ) میں آنتوں اور غذا کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ بطن کی جگہ ذہن تو مناسب تھا اور بہتر تھا کہ ردیف کو صرف حشو لکھنے کی جگہ حشو قبیح لکھتے تا حشو لکھنا کیا معنی؟ حشو متوسط جائز ہے اور حشو ملیح زینتِ کلام ہے۔ جیسے سر اشک خندہ گل میں چھپا چھپا بھی نہیں۔ یہاں سر صرف زینتِ کلام ہے اور معنی کچھ نہیں ہے

لیے ڈرے بھی ہیں ہم رنگ کھوئے کھوئے بھی
کہ ہوش عمر دگاں ہے بچا بچا بھی نہیں

اس پر غمزہ دگاں کی جگہ بادہ کشاں (مجوزہ) صرف ایک لطیف طنز ہے۔ اگر بادہ کش لیا دیا رہے تو وہ بادہ کش کہاں! —— دوسری بات یہ کہ اس غلطی کو کاتب کے سر آسانی سے تھوپا جا سکتا ہے۔ شعر میں کاتب کے سر تھوپنے والی کوئی چیز ہے ہی نہیں پھر تھوپا کیا جائے؟ اور سب سے بڑی بات جو شعر میں قابل گرفت ہے وہ یہ ہے کہ پہلے مصرع میں "ہم" ہے اور دوسرے میں "غمزہ دگاں" یا تو پہلے مصرع میں لفظ وہ ہوتا یا دوسرے مصرع میں "ہمارا" ہوتا۔

ہوش بجا ہیں صحیح بول چال ہے۔ محاورات کلام دی نہیں ہماری آپ کی اختراعات ہیں ؎

تمام شوخیٔ رفتار تیری راہ گزر
قدم کا نقش کچھ ایسا اٹھا کبھی نہیں

پہلے مصرع میں اضافل یعنی ہے کی ضرورت ہے۔ رزاقی صاحب نے رہ گزر کو پورا رہ گزار لکھ کر واضح کر دیا کہ گزر گزار کا مخفف ہے اور یہ غور فرمایا کہ راہ گزار راست چلنے والے کو کہتے ہیں کہ راستے کو۔ اس مقام پر رزاقی صاحب اساتذہ کی مثالیں دے کر کہیں گے کہ یہ تو سب نے لکھا ہے۔ اس کا جواب قبل از وقت حاضر ہے کہ وہ کون سی خطا یا عیب ہے جو اساتذہ کے کلام میں نہیں؟ تمام عیبوں کی مثالیں اساتذہ کے کلام ہی سے دی جاتی ہیں۔ زبان و ادب رفتہ رفتہ ہی نکھرتے ہیں۔ یہ مصرع یوں بھی ہو سکتا تھا: "تمام شوخیٔ رفتار راہ ہے تیری" یا "تمام شوخیٔ رفتار خود ہے راہ تری۔" لیکن کوئی شاعر اگر اس خیال کو نظم کرتا تو اس طرح ادا کرتا۔

"عیاں ہے شوخیٔ رفتار راہ سے تیری"

راہ کل شوخیٔ رفتار کسی طرح بھی نہیں بن سکتی۔ لیکن رزاقی صاحب نے بے دلیل قبول فرمایا ؎

ادا ادا سے ادا ہو تو ہم ادا سمجھیں
نہیں ادا در ادا جو ادا ادا بھی نہیں

اس پر رزاقی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے تسلیم۔ لیکن یہ الفاظ کسی طرح صحیح نہیں۔ "مصرع آخری میں لفظ در کی" ر "گر گئی دال اکیلی چھل ہو کر رہ گئی اگر در زبردستی مصرع میں ٹھونسی جاتی تو غریب مصرع وزن سے گر جاتا۔ اور شعر کو سکتہ کا مرض لاحق ہو جاتا گا"

اس مہمل اعتراض سے یہ ثابت ہوا کہ رزاقی صاحب کو عروض سے کوئی واسطہ ہے نہ سکتے کے اصطلاحی معنی سے اور ہمزۂ وصل کے محل استعمال سے بے خبر ہیں۔ حکم

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

بہ خیال نقاد اسی مصرع میں ہم اور الزام کا میم اور قصور کی ر وزن سے گر گئی؟

ہمزۂ وصل کی قرأت کسی قاری یا اہل زبان سے معلوم کیجئے اور سکتہ کے اصطلاحی معنی محقق عروضی سے۔ فراق صاحب کی اسی غزل میں مقدوط ہمزۂ وصل کی کتنی مثالیں ہیں جہاں رزاقی صاحب کی نگاہ دور بیں نہیں پہنچی۔ یہ کیوں؟ ملاحظہ ہوں وہ مصرعے:

ہمارے ہاتھ بس اک دل رہا رہا بھی نہیں
قدم کا نقش کچھ ایسا اٹھا اٹھا بھی نہیں
اگر کہیں کہ کچھ اس نے کہا کہا بھی نہیں
زمیں کا درد کچھ اتنا دبا دبا بھی نہیں
بس اک نگاہ کی پرچھائیاں بقاؤ فنا

ایک لاکھ اشعار کی مثالیں دے کر ثبوت بہم پہنچانے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ آئین قواعد پیش کر دیا جائے۔ فراق صاحب کی غزل بحر مجتث میں ہے جو نہایت مترنم وزن ہے فراق صاحب ایسے مترنم اوزان میں بے وزن شعر کہنے کی لعنت سے پاک ہیں۔ شعر کا وزن ہے:

مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن
نہیں ادا در ادا جو ادا ادا بھی نہیں

یہاں ادا کا الف وصل ساقط ہوا ہے جو صحیح ہے۔ اور در کی ر صحیح سالم ہے۔

اور کیوں بھائی رزاقی صاحب "یہ وقت صبح چمن آئینوں کی دنیا ہے" یہاں ہو وقت میں "ہ" کیا معنی رکھتی ہے؟

اور اس مصرع میں۔

فراق آدمی ہے تو بھلا بھلا بھی نہیں

آپ یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ آدمی کی "ی" ساقط نہیں ہوئی؟ اور کیا آپ کسی ذریعہ سے نگاہ کی پرچھائیاں دکھا سکتے ہیں؟

سحر عشق آبادی

دلی کے محبانِ اردو کی طرف سے علامہ زارؔ دہلوی کو خراجِ عقیدت

دلی۔ ۳۰ نومبر گذشتہ روز یہاں پر دلی کے محبانِ اردو نے اپنے ایک نمائندہ اجتماع میں علامہ تربھون ناتھ زارؔ دہلوی یادگار داغ کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔ یوم زار کمیٹی کے زیر اہتمام یہ اجتماع پبلک لائبریری کے ہال میں ہوا۔ دلی کے سرکردہ رہنماؤں، ادیبوں اور شاعروں نے نثر و نظم میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے علامہ زار کی علمی و ادبی خدمات کو سراہا۔ سب ہی مقررین نے خاص طور پر علامہ زار کی علمیت اور ان کے اخلاق و کردار کی تحسین کی۔

اجتماع کی دو نشستیں ہوئیں۔ پہلی نشست میں جو کہ جنرل شاہنواز صاحب کی صدارت میں ہوئی تقریریں ہوئیں اور دوسری نشست میں شعرائے نے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس کی صدارت لالہ شیام ناتھ جی نے فرمائی۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے علامہ زار صاحب کی تصویر کی نقاب کشائی کی رسم ادا کی اور مختصر الفاظ میں انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر "ندائے اتحاد" کا خصوصی زار نمبر شعراء، ادباء اور سرکردہ عمائدین کو تقسیم کیا گیا۔

(الجمعیۃ)

۲۸ نومبر کو کریم نگر ضلع کے اردو کارکنوں کا اجتماع ہوگا

کریم نگر۔ ۲۶ اکتوبر۔ مسرز کند لال حضرا صدر و ابوالمکارم خانی الدین کمال پریم نگری معتمد انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر نے اردو دوستوں اور کارکنوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے کہ انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش کی جانب سے ۱۲ دسمبر کو بمقام حیدرآباد، ریاستی سطح پر اردو کارکنوں کے اجتماع کا انعقاد کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سے قبل یہ ضروری ہے کہ ضلع کے اردو کارکنوں کا اجتماع منعقد ہو تاکہ ضلع کی سطح پر اردو مسائل کا صحیح ڈھنگ سے جائزہ لیا جاسکے۔ ضلع کے اردو کارکنوں کا اجتماع بتاریخ ۲۸ نومبر ۱۹۶۵ء بروز یک شنبہ منعقد ہوگا۔ تعلقہ جات اور دیہاتوں کی انجمن ترقی اردو کی شاخوں کو چاہیے کہ وہ کم سے کم اپنی شاخ سے دو نمائندوں کو روانہ کریں۔ اس اجتماع کے دو اجلاس منعقد ہوں گے۔ پہلے اجلاس میں اردو تعلیم و سرکاری نظم و نسق میں اردو و دیگر تنظیمی مسائل پر غور و خوض ہوگا۔ دوسرا اجلاس ادبی ہوگا۔ اس سلسلے میں ضلع کے شاعروں اور ادیبوں سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ ادبی اجلاس میں ضرور شرکت فرمائیں۔ انجمن کی مقامی شاخیں اور آرگنائزر صاحبان مندرجہ ذیل مواد پر مشتمل اپنی رپورٹ میں ۱۵ نومبر تک دفتر انجمن ترقی اردو شاخ ضلع کریم نگر کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

(۱) سرکاری مدارس میں موجودہ اردو جماعتوں کے طلبا کی تعداد (۲) اردو جماعتوں کے لحاظ سے اردو داں مدرسین کافی ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں ہیں تو کتنے مدرسین کی ضرورت ہوگی؟ اور ان میں اردو پنڈت اور جونیر اردو پنڈت کتنے ہیں؟ (۳) آیندہ تعلیمی سال میں اردو کی کون سی جماعت کی ضرورت ہوگی؟ (۴) سرکاری نظم و نسق میں اردو کے تعلق سے عہدہ داروں کا رویہ کیسا ہے؟ (۵) جہاں جہاں سرکاری کتب خانے موجود ہیں ان میں اخبارات اور رسائل کی تعداد کتنی ہے؟ (۶) آپ کے گاؤں میں اردو کے کون کون سے اخبارات و رسائل آتے ہیں، ان کی تفصیل؟ (۷) مقامی شاخوں کی مجلس انتظامی اور مجلس عام کی فہرستیں (۸) مقامی شاخ کے قیام کے بعد کیے گئے کام کی مختصر رپورٹ۔ (۹) اردو کارکنوں کے اجتماع میں آپ کے گاؤں سے کتنے کارکن شرکت کریں گے؟

(نامہ نگار)

گوالیار میں قومی ایکتا کا دن

انجمن ترقی اردو گوالیار کی جانب سے مورخہ ۳۰ اکتوبر کو "یوم قومی یک جہتی" "گیان اودے بھون" میں منایا گیا جس میں شہر کے اردو اور ہندی کے ادیبوں نے حصہ لیا۔

جناب گووند راؤ اور جناب رام پرکاش ترپاٹھی نے قومی ایکتا پر افسانے پڑھے۔ جناب شاد پردیسی نے پاکستان کے جارحانہ حملے پر کہی گئی ایک نظم سنائی جس نے حاضرین کو متاثر کیا۔ جناب عبدالحمید نے غزل اور جناب مہابیر سنگھ نے گیت سنایا جو پسند کیا گیا۔

بعد میں جلسے میں پڑھی جانے والی نظموں اور افسانوں پر بحث کی گئی جس میں جناب وقار صدیقی، جناب رام پرکاش ترپاٹھی، جناب گووند راؤ، جناب اسلام الدین قریشی، جناب ممتاز محمد نے حصہ لیا۔

جلسے کا اختتام جناب صدر رام ولاس شرما کی تقریر پر ہوا۔ آپ نے کہا جمہوریت، سیکولرازم اور سوشلزم ہماری زندگی کے بنیادی اصول ہیں انھیں پر عمل کرکے ہم اپنے ملک کی عزت، حفاظت اور سالمیت کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور ملک کے اندر یک جہتی اور امن و امان قائم رکھ سکتے ہیں۔

وقار صدیقی، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو گوالیار

سنت فتح سنگھ اردو کُشی کے خلاف ہیں
انجمن ترقی اردو کے سکریٹری جناب نرش کا بیان

امرتسر، ۱۵ نومبر۔ سنت فتح سنگھ سے اکال تخت پر ملاقات کرنے کے بعد انجمن ترقی اردو پنجاب چنڈی گڑھ کے سکریٹری جناب نرش نے ایک بیان میں بتایا کہ سنت فتح سنگھ اردو کشی کے مخالف ہیں۔ انھوں نے اردو اخباروں کے اردو کے مسئلہ پر خاموش رہنے پر تشویش ظاہر کی اور اردو کے قتل کے لیے تعصب کو ذمہ دار ٹھہرایا۔ جناب نرش کے یہ دریافت کرنے پر کہ اگر پنجابی صوبہ بنا دیا گیا تو اس میں اردو کا کیا مقام ہوگا سنت فتح سنگھ نے کہا کہ پنجابی صوبہ میں اردو کو اس کا جائز مقام یقیناً دیا جائے گا اور ادب کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ یہ دریافت کرنے پر کہ فی الحال وہ اردو کے متعلق کیا سوچتے ہیں اور کیا کرسکتے ہیں، سنت جی نے کہا کہ معاملہ ورکنگ کمیٹی میں رکھے بغیر وہ کوئی قطعی فیصلہ نہیں دے سکتے۔ جناب نرش نے کہا کہ سنت فتح سنگھ سے ان کی ملاقات تسلی بخش رہی ہے۔ آپ نے امید ظاہر کی کہ ورکنگ کمیٹی اردو کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرے گی کیونکہ اردو زبان ہمارے مشترکہ تمدن کی ضامن ہے۔ (نامہ نگار)

صفحہ ۴ سے آگے

پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور لکھا جا چکا ہے۔ بتانا صرف اس قدر مقصود ہے کہ اس دور میں وہ لوگ جو خلوص نیت سے مسلمانوں کے تعلیمی مسائل پر غور کر رہے تھے ان میں سرسید کے ساتھ شہرت کا نام بھی نمایاں ہے اگرچہ دونوں کے راستے جدا گانہ تھے۔

چند باتیں کتاب مذکور (عبیر ہندی) کے بارے میں عرض کرنا ہیں۔ اس کتاب کی تالیف کا خیال ان کو جن وجوہات کی بنا پر پیدا ہوا وہ یہ ہیں۔

۱۔ غالب کی وہ نصیحت جس کا ذکر اوپر گذرا۔

۲۔ اردو کا انداز بگڑتا جا رہا ہے اور اس پر دوسری زبانوں کے الفاظ جگہ پا رہے ہیں۔

۳۔ عورتیں بہت کم اردو جانتی ہیں اور زنانہ اردو سے تو بالکل محروم ہیں۔ یہ کتاب ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا میں حمد، نعت، اور زبان اردو کے عنوان سے نظمیں موجود ہیں۔ "زبان اردو" میں انھوں نے "عبیر ہندی" لکھنے کا سبب بھی بیان کیا ہے۔

اس واسطے یہ کتاب لکھی — صورت رہے اس کی چاندنی سی
شہزادیوں کی زبان ہے جادو — پھولوں کی طرح مہک ہے ہر سو
کچھ اس کو یہ بھولنے لگی ہیں — اور غفلتوں سے ہی پڑ گئی ہیں
لکھی ہے سو میں نے عبیر ہندی — تا طرہ جیب جائے خندی
جس میں ہیں لغات و اصطلاحیں — محنت کریں عورتیں یہ سیکھیں
مردانہ زبان بولتی ہو — کیوں قند میں گوڑ کو گھولتی ہو

اس کے بعد نثر میں "سبب تالیف کتاب" کے عنوان سے ایک مختصر سا مضمون موجود ہے۔ اصل کتاب کا آغاز صفحہ سات سے ہوتا ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں "لغات اردو" اور باب دوم میں "مصطلحات" دیئے ہوئے ہیں۔ آخر میں منتظمہ دارالاشاعت کی تقریظ ہے جس سے مولف کی تعلیمی اور علمی سرگرمیوں پر روشنی پڑتی ہے۔

چونکہ شہرت کا تعلق تعلیم نسواں سے رہا ہے اس لیے عبیر ہندی میں زنانہ اور مردانہ لغات اور مصطلحات درج کیے جو شاہزادیاں اور امیرزادیاں بولتی تھیں۔ ہر لغت کے ساتھ تمثیل کے طور پر اپنا یا کسی استاد کا شعر لکھ دیا ہے۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اشعار کے انتخاب کا معیار پست ہے۔ بعض اشعار وزن سے خارج معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً

بوجھ ساروں کا ہوا وہ بھی اٹھائے
اوٹ بدنام شہر ہیہات افسوس

بھلا طوطے سے تو عادت ہی کیا تھی
جو آرون مرو ڑی تو ٹیش ہو گیا
کیا جا بیٹھی ہے گھر کی خبر کچھ بھی نہیں
چینئے چینئے میری تو زباں سوکھ گئی
رات کی قدر ہوا کرتی ہے
رات گذری تو بات بھی گذری
سائیں راج بلند راج
ورنہ تو ہو گی محتاج

الفاظ و محاورات بعض زبردستی کے ہیں۔ مثلاً تکبر، تعصب، حسن، در و دیوار، اخفا، ذکر میرا وغیرہ ظاہر ہے کہ یہ الفاظ روزمرہ کے استعمال میں برابر آتے ہیں ان کو قلعہ معلیٰ کی زبان سے مخصوص کرنا کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

صفحہ ۱۲ سے آگے

مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا نام "محفل کربل کتھا" ہے اور مصنف کے کسی فقرے سے اس نام کا سراغ نہیں ملتا۔ خود اس کتاب میں دس نہیں بلکہ بارہ مجلسیں درج ہیں اس سبب بھی "دہ مجلس" اس کا نام غلط ہوگا مولوی کریم الدین کے بیان سے جو غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی مرتبین نے اپنے مقدمے میں اس کی تصحیح کر دی ہے۔

ہم ایک بار پھر ڈاکٹر مختار الدین احمد و مالک رام کو اردو کی اس نایاب کتاب کو منظر عام پر لانے کے لیے مبارکباد دیتے ہیں۔ ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ نے یہ کتاب جس اہتمام اور صحت کے ساتھ شائع کی ہے وہ ہر اعتبار سے قابل تعریف ہے۔

تبصرہ

خلیل الرحمٰن اعظمی

کربل کتھا

مصنف :- فضل علی فضلی

مرتب :- مالک رام و مختار الدین احمد

ناشر :- ادارۂ تحقیقات اردو پٹنہ

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ شاخ جامع مسجد دہلی

قیمت :- قسم اول بارہ روپے، قسم دوم ساڑھے سات روپے

فضلی کی "کربل کتھا" شمالی ہند میں اردو نثر کی پہلی کتاب ہے اور اس کا ذکر عام طور پر اردو زبان و ادب کی تاریخوں میں ملتا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اس کتاب کے وجود کی شہادت کسی ادیب یا مورخ نے نہیں دی ہے سوائے مولوی کریم الدین مصنف "طبقات شعرائے ہند" کے جن کے پاس اس کا ایک قلمی نسخہ موجود تھا۔ محمد حسین آزاد، صفیر بلگرامی، احسن مارہروی، شمس اللہ قادری، نصیر حسین خیال، حامد حسن قادری، اور بعض دوسرے حضرات نے اس کتاب سے متعلق مختصر اور مبہم طور پر جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل ان معلومات اور اقتباسات پر مبنی ہے جو مولوی کریم الدین نے اپنے تذکرے میں شامل کیے تھے۔ اردو کے مورخوں اور محققوں کو مدت سے اس اہم اور نایاب کتاب کی جستجو تھی اور اس کے لیے ہندوستان کے علاوہ یورپ کے اہم کتب خانے کھنگالے گئے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ ڈاکٹر مختار الدین احمد کو بجا طور پر اردو کے محسنوں میں شمار کیا جائے گا جنھوں نے اپنے قیام یورپ کے دوران ۱۹۵۶ میں "کربل کتھا" کا مخطوطہ ٹوبن گن یونیورسٹی (جرمنی) کے کتب خانے سے پہلی بار دریافت کیا۔ اتفاق سے یہ وہی نسخہ ہے جو مولوی کریم الدین کی ملکیت رہ چکا ہے۔ مولوی کریم الدین نے یہ کتاب اپنے مربی و محسن ڈاکٹر اشپرنگر پرنسپل دلی کالج کی نذر کر دی تھی۔

ڈاکٹر مختار الدین احمد نے "کربل کتھا" کی ترتیب و تدوین کا کام اردو کے بلند پایہ اور مستند محقق جناب مالک رام کے اشتراک و تعاون سے انجام دیا ہے۔ چونکہ اس کتاب کے ایک ہی نسخے کا اب تک پتہ چل سکا ہے اور مقابلے کے لیے اس کی کوئی اور روایت موجود نہیں ہے اس لیے اس کی ترتیب جس قدر دشوار گزار ہے اس کا اہل تحقیق کو تھوڑا بہت اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس کے ایک ایک لفظ کو پڑھنے اور پڑھ کر اس کے معانی و مطالب متعین کرنے میں مرتبین نے جس دیدہ وری کا ثبوت دیا ہے وہ قابل داد ہے۔ اس کتاب کے حواشی و تعلیقات، فرہنگ اور اشاریہ کو دیکھ کر یہ بات بڑے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ ترتیب و تدوین کا ایک معیاری اور مثالی نمونہ ہے اور دوسرے تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے قابل تقلید۔

مرتبین نے ایک طویل مقدمہ لکھ کر اس کتاب کی تاریخی، لسانی اور ادبی حیثیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مقدمہ مرتبین کے تحقیقی ذوق اور عالمانہ بصیرت کے علاوہ ان کے ادبی و تنقیدی شعور کا بین ثبوت ہے۔ مقدمے میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ "کربل کتھا" کا ماخذ فارسی کے مشہور مصنف ملا حسین واعظ کاشفی کی تصنیف "روضۃ الشہدا" ہے۔ کاشفی کی بعض اور کتابیں جن میں "انوار سہیلی" اور "اخلاق محسنی" خاص طور پر معروف ہیں ایک زمانے میں ہندوستان کے فارسی نصاب میں داخل رہ چکی ہیں۔ روضۃ الشہدا میں مصنف نے بعض انبیا کے حالات عموماً اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خصوصاً لکھے ہیں۔ آخر میں ایک حصہ واقعات کربلا سے متعلق ہے۔ یہ حصہ اس قدر موثر اور دلپذیر ہے کہ کسی زمانے میں محرم کی مجالس عزا میں لوگ اسے پڑھتے تھے۔ مجالس عزا اور کتاب روضۃ الشہدا اس قدر لازم و ملزوم ہو گئیں کہ ان مجلسوں کو ایک زمانے میں "روضہ خوانی" کہا جانے لگا اور مجلس پڑھنے والے کو "روضہ خواں" کہنے لگے۔

"کربل کتھا" کے مصنف فضلی بھی دراصل ایک روضہ خواں تھے۔ انھوں نے اپنی روضہ خوانی کے تجربے کی بنا پر یہ بات محسوس کی کہ فارسی زبان میں مجلس پڑھنے سے اس کتاب کے معانی و مطالب ان لوگوں پر واضح نہیں ہوتے جو اس زبان سے اچھی طرح واقفیت نہیں رکھتے اس طور پر واقعات کربلا کا جو حقیقی تاثر روضہ خواں پیدا کرنا چاہتا ہے اس میں کامیابی نہیں ہوتی چنانچہ اسی مقصد کے پیش نظر فضلی نے روضۃ الشہدا کے اس حصے کو اردو زبان میں لکھنے کا ارادہ کیا جو واقعات کربلا سے تعلق رکھتا ہے۔

مرتبین نے اپنے مقدمے میں اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ روضۃ الشہدا اور کربل کتھا کے باہمی مقابلے سے معلوم ہوتا ہے کہ فضلی نے لفظی ترجمہ نہیں کیا ہے بلکہ اس کے مضمون اور مواد کو اپنے طرز میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے، اس پر اضافہ بھی کیا ہے اور کہیں کہیں انحراف سے بھی دریغ نہیں کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی کربل کتھا کی عبارت روضۃ الشہدا سے اتنی مختلف ہے کہ اسے بجا طور پر فضلی کی مستقل تالیف قرار دیا جا سکتا ہے۔

مرتبین نے اس بات کی بھی تحقیق کی ہے کہ روضۃ الشہدا کے اس حصے کے ترجمے اور خلاصے دوسرے لوگوں نے بھی تیار کیے تھے اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق ان میں تبدیلیاں کر لی تھیں۔ چنانچہ کتب خانہ سالار جنگ اور مولوی عبدالحق کے ذخیرۂ کتب میں نظم و نثر کے بعض مخطوطے ایسے موجود ہیں جن کی بنیاد روضۃ الشہدا پر رکھی گئی ہے۔ ان میں سے بعض کتابوں کے نام دہ مجلس، یازدہ مجلس اور دوازدہ مجلس وغیرہ بھی ہیں۔ غالباً اسی بنا پر مولوی کریم الدین نے "کربل کتھا" کے ذکر میں اس کتاب کا دوسرا نام "دہ مجلس" لکھ دیا حالانکہ کتاب کے

(باقی صفحہ ۴ پر)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھاپا اور پبلشر نذیر حسن نے دفتر مرکزی انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ سے شائع کیا